تمام دنیا کے انسانوں کو باہم ایک دوسرے کے دکھ وسکھ میں شریکِ حال ہونا چاہیئے، ایک دن ایسا آنا ہے کہ تمام دنیا کے انسان ایک خاندان کے افراد بن کر زندگی گزاریں گے۔ اسلام نے اسی منزل کے لئے راستہ صاف کرنے کے سلسلہ میں حج کو واجب قرار دیا ہے، تاکہ ایک سال میں چند دنوں کے لئے تمام دنیا کے انسان ایک ایسے مقام پر کہ جس کو اس نے دنیا کا مرکز بنایا ہے جمع ہوں، اور ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہوں، ایک دوسرے سے قریب ہوں، ایک دوسرے کے ہمدرد بنیں اور رفتہ رفتہ تمام دنیا کے انسان ایک خاندان کے افراد بن سکیں، اور تمدن کے لئے ایک بہترین صورت پیدا ہو جائے۔

آج دنیا مساوات کا نعرہ بلند کر رہی ہے اور مساوات کے نام پر جان دیتی ہے، اسلام جو مساوات کا درس دینے والا ہے اس نے بشرطِ استطاعت حج واجب کر کے اس طرح مساوات کی تعلیم دی اور اس طرح انسانی برابری کا سبق سکھایا کہ فقیر و بادشاہ دونوں کو ایک ہی صف میں لاکر کھڑا کر دیا۔ سب کے لئے احکام بھی ایک ہی نافذ کئے، سب کے لئے لباس بھی ایک ہی معین کیا۔ ایسا نہیں ہے کہ اگر کوئی بادشاہ حج کے لئے جائے تو وہ وہی لباس زیبِ تن کئے رہے جو ایک بادشاہ کا ہوتا ہے جو نہیں بلکہ سب کے لئے ایک جامۂ احرام ہے تاکہ غریب و امیر، فقیر و بادشاہ میں کوئی تفریق نہ ہو سکے۔

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے ⁂ تیری سرکار میں پہونچے تو سبھی ایک ہوئے

زکوٰۃ اسلام کا معاشی نظام زکوٰۃ ہے آج سوشلزم اور کمیونزم کے دَور میں اسلام کے تیرہ سو سالہ قبل کے نظام کو بھی سمجھنے کی کوشش کیجئے۔

سرمایہ کا منجمد ہونا حقیقتاً فساد فی الارض کا باعث ہے اگر سرمایہ ایک جگہ بند کر کے رکھ دیا جائے تو اس سے نہ کوئی فائدہ اٹھا سکتا ہے اور نہ کسی کو وہ منفعت بخش سکتا ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ کوئی سرمایہ جامد نہ رہے اس لئے کہ وہ "لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ" کا قائل ہے اور حامی ہے، وہ نہیں چاہتا کہ دنیا میں کوئی سرمایہ، سرمایۂ محفوظ بن کے رہے۔ "يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ" ارشاد ہے کہ اے رسول تم سے لوگ یہ دریافت کرتے ہیں کہ ہم اللہ کی راہ میں کیا خرچ

کریں تو کہہ دو کہ جو کچھ بھی تمہارے خرچ سے بچ رہے"۔ لہٰذا اسلام نے سرمایہ محفوظ کے سلسلہ میں بہت بڑا اور اہم قانون پیش کیا ہے۔

کسی دین نے محتاجوں، غریبوں اور مسکینوں کی حمایت کے لئے کوئی قانون اور کوئی آئین ایسا نہیں پیش کیا کہ جو اسلام کے مسئلہ زکوٰۃ کا مقابلہ کر سکے۔ خیرات اور صدقہ دینے کے سلسلہ میں تقریباً ہر مذہب نے تاکید کی ہے۔ لیکن یہ تمام چیزیں اسلام کے مسئلہ زکوٰۃ کا مقابلہ نہیں کر سکتیں، اس لئے کہ خیرات کرنا، صدقہ دینا، غریبوں کی مدد کرنا اور ناداروں کی اعانت کرنا وغیرہ وغیرہ یہ تمام باتیں دنیا والوں پر چھوڑ دی گئی ہیں۔ یہ ان کی اختیاری بات ہے کہ خواہ وہ ایسا کریں خواہ نہ کریں اس سلسلہ میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص غریب و نادار لوگوں کی اعانت کرتا ہے اور خیرات وغیرہ دیتا ہے تو اتنا تو ضرور ہے کہ وہ مذہب کی رو سے جزا کا مستحق ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ عمل نہیں کرتا جبکہ اس کو اس طرح کے اعمال بجا لانے بھی چاہئیں تو مذہب کی نظر میں وہ کسی جرم و خطا کا مرتکب نہیں ہے اور نہ وہ سزا کا مستحق ہے۔ اس لئے کہ یہ تمام باتیں انسان کی خواہش پر چھوڑ دی گئی ہیں۔ لیکن اسلام نے جو مسئلہ زکوٰۃ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس کا مقصد یہی ہے کہ جو مالدار اور متمول حضرات ہیں وہ غرباء و مساکین کا حق اپنے مال میں سمجھیں اور غرباء و مساکین اس کے مال میں خود کو حق دار گردانیں۔ اس لئے کہ دنیا میں جس قدر بھی مال ہے وہ حقیقتاً اللہ کا مال ہے اور اس میں سب شریک ہیں اسی واسطے حدیثِ قدسی میں ارشاد ہوا ہے۔ "المال مالی والفقراء عیالی" اور اگر وہ مالدار حضرات اپنے مال میں غرباء و مساکین کا حق نہیں سمجھتے ہیں تو مذہب کی نظر میں وہ مجرم ہیں اور سزا کے مستحق ہیں۔ اگر زکوٰۃ کے مسئلہ کو بہ نظر غائر دیکھا جائے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسئلہ زکوٰۃ ایک فطری امر ہے، انسان کے بدن کو دیکھئے کہ ضرورت سے زائد رطوبت کو اپنے اندر سے پسینہ اور لعاب وغیرہ کی صورت میں نکال دیتا ہے۔ فطرت حریص نہیں کہ وہ ضرورت سے زائد شے کو اپنے میں روکے رہے۔ دل کو دیکھئے کہ تحلیلِ غذا کے بعد جو خون اُس تک پہونچتا ہے وہ اس میں سے بقدرِ ضرورت تو روک لیتا ہے۔ اور بقیہ خون کو باقی تمام اعضاء و جوارح پر تقسیم کر دیتا ہے۔ اگر دل کہیں انسان کی طرح

حریص ہوجائے اور تمام خون کو روک لے تو نظامِ بدن میں ایک تہلکہ برپا ہوجائے۔

آج اشتراکیتین جس افراط پسندی کے ساتھ سرمایہ داری کی مخالفت کررہے ہیں، اسلام نے اپنی طبعی اعتدال پسندی سے سرمایہ کے وجود کو تسلیم کیا مگر اس پر کچھ قیود و شرائط ایسی لگادی ہیں کہ وہ سماج کے لئے بجائے مضر ہونے کے فائدہ مند بن جائے۔

جہاد جہاد بڑا گرج دار لفظ ہے اس لفظ کے سنتے ہی سننے والوں کے دل کانپ جاتے ہیں مگر ذرا انصاف سے غور فرمائیے کہ جب ہمارے جسم کا کوئی حصہ پھنسی پھوڑے کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ اور اس کی تکلیف سے تمام جسم متاثر ہوتا ہے تو بحالتِ مجبوری ہمیں اُس کا آپریشن کرانا پڑتا ہے تاکہ جو مادہ خراب ہے وہ جسم سے باہر نکل جائے اور تکلیف دور ہوجائے۔ یا جب جسم پر کوئی زخم ہوجاتا ہے، اور وہ سڑنے اور گلنے لگتا ہے تو نتیجتاً اس کا آپریشن کرانا پڑتا ہے تاکہ وہ گلا ہوا گوشت اپنے آس پاس کے صحیح و سالم گوشت کو بھی نہ گلادے، لہٰذا اس بد گوشت کو کٹوا دیا جاتا ہے، اور کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ پورے پورے عضو کو بھی کٹوا دیا جاتا ہے۔ مثلاً انگلی پک کر سڑ گئی اور اندیشہ ہے کہ اُس کا مادہ کسی اور طرف کو نہ پھیل جائے تو اس کو کٹوا دینا پڑتا ہے، اور اس سے کسی قسم کی ہمدردی وابستہ نہیں ہوتی۔ ان تمام باتوں کا منشاء و مقصد اور ان میں جو راز مضمر ہے۔ وہ یہی کہ جسم کی راحت و آرام میں کہیں خلل واقع نہ ہوجائے، اور کہیں اس غلط عضو کی وجہ سے صحیح اعضاء متاثر نہ ہوجائیں۔ پس کُل جسم پر ایک جزو کو نثار کرنا اور صحیح و سالم اعضاء پر ایک عضو کو قربان کردینا ایک فطری امر ہے۔ لہٰذا یہ بھی ایک فطری امر ہے کہ جب کوئی دشمن کسی انسان پر حملہ آور ہوتا ہے یا اس کے امن و آزادی میں مخل ہوتا ہے، یا اس کے حقوق کو پامال کرنا چاہتا ہے، تو اس شخص کے دل میں ان جیسے مظالم کو دور کرنے اور دشمن سے انتقام لینے کا جذبہ از خود پیدا ہوجاتا ہے، اور حقیقتاً حیاتِ انسانی اور بقائے انسانی بھی اسی میں مضمر ہے۔ اگر یہ امر مطابقِ فطرت نہ ہوتا تو پھر ہرگز دنیاوی نظام اس طرح باقی و برقرار نہ رہتا۔ اور انسانی تہذیب و تمدن میں وہ خامیاں وجود میں آتیں کہ جن کی وجہ سے ہر انسان کا زندگی گزارنا مشکل ہوجاتا۔ بس

یہی وہ باتیں ہیں کہ جو اسلامی جہاد کا نصب العین اور اس کی بنیاد ہیں، اسلامی جہاد کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ بے وجہ انسان کی خونریزی کی جائے، یا بے وجہ کسی کے مال و دولت کو لوٹا جائے۔ یا بے گناہوں کو اذیت اور مصیبت میں مبتلا کیا جائے۔ جو لوگ جہاد کا منشاء و مقصد یہی سمجھتے ہیں حقیقتاً وہ سخت غلطی پر ہیں، اور جہاد کے حقیقی منشاء سے وہ بہت دور ہیں۔ دُنیاوی بادشاہوں اور اسلامی جہاد کے مقاصد میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اسلامی جہاد کا مقصد حقیقی یہ ہے کہ ایسی تمام طاقتوں کا استیصال کیا جائے کہ جو امن عامہ پر اثر انداز ہو رہی ہوں۔ تہذیب و تمدن کے قاعدوں کو صحیح جاری نہ رہنے دیتی ہوں نیکی کو بدی کے سانچہ میں ڈھال رہی ہوں۔ جیسے ایک عقل مند مالی اپنے چمن سے خار و خس اور بد ذائقہ پھل والے اشجار کو چھانٹ دیتا ہے اور چمن سے دُور کر دیتا ہے چونکہ ان کے وجود سے چمن کے زیب و زینت اور رونق میں کمی آتی ہے اور اس لئے کہ ان کے وجود سے دوسرے خوش ذائقہ پھل والے اشجار اور خوبصورت وحسین پھلواری کو مکمل غذا نہ ملنے کی وجہ سے نقصان پہونچتا ہے اور اس لئے بھی کہ خار و خس ان حسین پھولوں کے حسن سے خوش ہونے والوں کی نگاہوں میں کھٹکتے ہیں اور چمن میں آنے والوں کا دامن پکڑ لیتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جہاد کا حکم ان لوگوں کے مقابل ہوتا ہے کہ جو نوعِ انسانی کو مضرتیں پہونچا رہے ہوں۔ اور انسانی تہذیب و تمدن کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہوں خواہ وہ کفار ہوں یا منافقین" یَآاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنَافِقِیْنَ"

جہاد کی غرض و غایت یہی ہے کہ انسانی معاشرہ مخرب عناصر سے پاک ہو جائے اور اس میں امن و سلامتی جو مقصدِ اصلی ہے باقی و برقرار رہے۔

آپ نے غور فرمایا کہ اسلامی احکام عین عقل و فطرت کے مطابق ہیں، اس لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ صرف اس لئے ضروری ہے کہ شریعت اسلام کا حکم ہے۔ بلکہ انسانی مفاد، نوعی بہبود اور آدمی کو انسان بنانے کے لئے اشد ضروری ہے۔

منکر معروف کی ضد ہے جب معاشرہ معروف پر عمل کرے گا تو منکر سے نہی کی ضرورت ہی پیش نہ آئے گی۔ اس لئے کہ نیکی کی صلاحیتوں کے سلب کا نام منکر ہے۔ جب انسان کا ضمیر مُردہ ہو جاتا ہے اور خیر و فلاح کی صلاحیتیں اس سے مفقود یا کم ہو جاتی ہیں تب وہ منکر کی طرف مائل ہوتا ہے۔ بہر حال نیکی کا حکم ہو یا بُرائی سے روکنا مقصود ہو دونوں ایک ہی آئین کے ایجابی اور سلبی دو رُخ ہیں۔ اگر ایجابی پہلو فطرت و عقل سے ہم آہنگ ہے تو منکر یقیناً فطرت و عقل کے مخالف ہوگا۔ اس لئے امر بالمعروف اگر ایک مستحسن فعل مانا جائے گا تو نہی عن المنکر بھی اسی ضمن میں آئے گا۔ ورنہ قرآن مجید میں اس طرح نہ کہا جاتا " اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ " کہ نماز فحشاء و منکر سے باز رکھتی ہے۔ معلوم ہوا کہ جب حقیقتِ صلوٰۃ پیدا ہو جائے گی تو فحشاء و منکر خود بخود کافور ہو جائیں گے اس لئے اس پر مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں۔

قرآن اور تصوف

اس گراں قدر تالیف میں حقیقی اسلامی تصوف کو منطقی ترتیب کے ساتھ نہایت دلپذیر اسلوب میں پیش کیا گیا ہے۔ تصوف اور اسکی تعلیم کا اصلی مقصد عبدیت اور الوہیت کے مقامات کا تعین اور انکے ربط و تعلق کا حصول ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ مختلف قسم کی ذلتوں اور گمراہیوں کا سرچشمہ بن کر رہ گیا ہے۔ مؤلف نے کتاب و سنت کی روشنی میں تمام الجھنوں اور نزاکتوں کو نہایت دلنشیں اور عالمانہ پیرایہ میں واضح کیا ہے۔ شروع میں ایک مقدمہ ہے جس میں تصوف اور صوفی کی لفظی تحقیق، تصوف کی تعریف، تصوف میں زندقہ کی آمیزش کے اسباب اور دیگر مباحثِ متعلقہ پر بصیرت افروز کلام کیا گیا ہے۔ اپنے موضوع کے لحاظ سے قابلِ مطالعہ کتاب ہے۔ بڑے بڑے علمی رسالوں نے کتاب پر نہایت عمدہ اظہار رائے کیا ہے۔ بڑے بڑے عنوانات ملاحظہ ہوں۔

عبادت و استعانت، قرب و معیت، تنزلاتِ ستّہ، خیر و شر، جبر و قدر، یافت و شہود۔

مؤلف ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب۔ ۱۸۰ صفحات بڑی تقطیع، تیسرا ایڈیشن

قیمت غیر مجلد دو روپے — مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی — مجلد معہ خوشنما گرد پوش تین روپے

دیارِ غرب کے مشاہدات و تاثرات

(۴)

سعید احمد اکبر آبادی

صبح کو ناشتہ کا وقت سات بجے سے نو بجے تک اور شام کو کھانے کا وقت چھ بجے سے آٹھ بجے تک تھا۔ ناشتہ بڑا مکلّف ہوتا تھا۔ کنیڈا غالباً کھانے پینے کی چیزوں میں امریکہ اور یورپ سب پر ہی فوقیت رکھتا ہے، گوشت، ترکاریاں، پھل، دودھ، مکھن، پنیر، ڈبل روٹی، بسکٹ، پیسٹری، شہد، جیلی، پھر انگور، سیب، سنگترہ اور اناس وغیرہ کے عرق۔ غرض کہ ہر چیز نہایت عمدہ، بالکل خالص اور تر و تازہ، سردی کا موسم ہو یا گرمی کا، ان میں جو چیزیں تیار اور پکی ہوئی ہوتی ہیں وہ سب ریفریجریٹر میں رکھی رہتی ہیں۔ اس لئے جب نکالئے برف کی طرح سرد ملیں گی، چنانچہ ناشتہ میں سب سے پہلے ایک چھوٹا گلاس عرق کا آتا تھا اور میری خواہش کے مطابق کبھی سیب کا، کبھی اناس یا سنگترہ کا! نہایت سرد، بالکل تازہ اور خالص۔ پیتے ہی محسوس ہوتا تھا کہ دماغ انگڑائی لے رہا ہے، اس کے بعد ایک بڑی پلیٹ میں کارن فلیک اور اس کے ساتھ ایک بڑی دودھ دانی میں دودھ، دودھ ایسا غلیظ کہ اُس پر کریم کا شبہ ہو۔ یہ پلیٹ جب اُٹھ جاتی تھی تو اب دو فرائڈ انڈے اور اُن کے ساتھ توس یا فریخ پیسٹی۔ اور پنیر، مکھن اور جیلی اور وہ بھی کم از کم دو قسم کی اور ساتھ ہی کافی یا چاء وہاں چائے بہت کم پی جاتی ہے اور سچ یہ ہے انھیں چائے پینی آتی بھی نہیں کافی البتہ بڑی نفیس اور خوش ذائقہ ہوتی ہے اس لئے میں نے بھی چائے ترک کر کے مستقلاً کافی کا استعمال شروع کر دیا۔

رات کو ڈنر میں پہلے سوپ۔ کبھی کسی چیز کا اور کبھی کسی کا اور یا ٹماٹر کا عرق، وہاں گوشت اس طرح فروخت ہوتا ہے کہ جسم کے ہر حصہ کے گوشت کا نام بھی الگ اور قیمت بھی الگ۔ سب سے سستا گوشت مرغ کا ہوتا ہے اور سب سے زیادہ گراں گائے کا۔ سوپ یا ٹماٹر کے عرق کے بعد میٹ (Meat) آتا تھا، اس کے معنی اگرچہ مطلق گوشت کے ہیں۔ مگر اصطلاحاً اُس کا اطلاق گائے کے گوشت پر ہوتا ہے۔ ہفتہ میں ایک دن مچھلی، اور ایک دن مرغ ملتا تھا، مگر مجھے ہفتہ میں دو مرغ پڑتے تھے اور وہ اس طرح کہ ہفتہ میں ایک دن بیکن (Bacon) ہوتا تھا مگر چونکہ ہوٹل کے مالک کو معلوم تھا کہ میں اسے ہاتھ نہیں لگا سکتا اس لئے وہ اس روز بھی میرے لئے مرغ تیار کرتا تھا۔ اس کے ساتھ کئی قسم کی اُبلی ہوئی ترکاریاں اور سلاڈ، اور توس و مکھن ہوتا تھا، پھر کوئی میٹھی چیز یعنی پڈنگ، کھیر، تازہ پھل یا اسی قسم کی کوئی اور چیز آتی تھی اور آخر میں کافی چائے یا دودھ جو آپ مانگیں وہ ملتا تھا، میں خود چونکہ چٹپٹے اور مسالہ دار اور روغن دار کھانوں کو طبعاً پسند نہیں کرتا اس لئے ان مغربی طرز کے کھانوں سے ناگواری تو کیا ہوتی! طبیعت بڑی خوش رہی، کھانا شکم سیر ہو کر کھاتا تھا مگر کبھی ثقل یا گرانی کی شکایت نہیں ہوئی، اس موقع پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہاں گوشت کا انتظام کیا تھا؟

اصل یہ ہے کہ امریکہ اور کناڈا میں دو قسم کا گوشت ملتا ہے، ایک تو وہی عام گوشت جسے (MEAT) کہتے ہیں یہ عیسائیوں کا "ذبیحہ" ہوتا ہے اور اس کے مقابل جو یہودیوں کا ذبیحہ ہوتا ہے وہ کوشر کہلاتا ہے، یہودی اس باب میں بڑے کٹر اور جامد ہوتے ہیں، اپنے ذبیحہ کے علاوہ کسی اور ذبیحہ کو جائز نہیں سمجھتے، لیکن جہاں تک طریقۂ ذبح کا تعلق ہے جو مسلمانوں کے عام رواج کے برخلاف ایک مکمل طریقہ ہے وہ ہر جگہ یکساں ہے اور اس لحاظ سے عیسائیوں کے ذبیحہ اور یہودیوں کے ذبیحہ میں کوئی فرق نہیں، البتہ فرق صرف اس قدر ہے کہ مذبح میں جب یہودیوں کے جانور ذبح ہو جاتے ہیں تو ان کا ایک مذہبی شخص آکر ان جانوروں پر کچھ پڑھ دیتا ہے، ان ملکوں میں بڑے بڑے متقی مسلمانوں کو میں نے دیکھا ہے کہ کوشر بڑی بے تکلفی سے کھاتے ہیں، مگر عیسائیوں کے ذبیحہ کو چھوتے تک نہیں، میری رائے میں اس تفریق کے کوئی معنی نہیں ہیں؟ کیونکہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ

یورپ اور امریکہ میں ذبح کا جو طریقہ مروج ہے وہ اسلامی شریعت میں معتبر ہے یا نہیں؟ صلحاء اخیار اُمت کا تعامل اس بات کی دلیل ہے کہ یہ طریقہ معتبر ہے اس لئے کہ جو حضرات عیسائیوں کا ذبیحہ نہیں کھاتے وہ بھی گوشت کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے، حالانکہ جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا۔ اس خاص اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے؟ اسلام میں کسی گوشت کے حلال ہونے کا دارومدار چار چیزوں پر ہے۔

(۱) گوشت کسی حلال جانور کا ہو (۲) ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا اہلِ کتاب میں سے ہو۔

(۳) ذبح کا طریقہ عند الشرع معتبر ہو (۴) ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ مسئلۂ زیرِ بحث میں پہلی اور دوسری شرط کے وجود میں تو کوئی کلام ہی نہیں ہو سکتا، رہی تیسری شرط تو چونکہ اُس کو بھی جمہور اُمت نے تسلیم کر لیا ہے۔[1] اس لئے اس کے وجود میں بھی کوئی شبہ نہیں رہا، اب لے دیکے بحث اس پر مرکوز ہو جاتی ہے کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا ضروری ہے یا نہیں؟ اس بارہ میں احناف کا صاف مذہب یہ ہے کہ تسمیہ عند الذبح ضروری ہے، اور اُن کا استدلال سورۂ انعام کی اس آیت سے ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ط اور جن پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا ہے تم اُس میں سے کچھ بھی نہ کھاؤ۔

لیکن اس کے برخلاف امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ تسمیہ ذبح کے وقت مستحب ہے۔ واجب یا شرط نہیں ہے۔ جو مذہب امام ابو حنیفہ کا ہے وہی امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا بھی ہے، البتہ اگر کوئی مسلمان بھول چوک کی وجہ سے تسمیہ نہ کر سکے تو کوئی مضائقہ نہیں اُس کا ذبیحہ حلال ہوگا، امام شافعی کا اپنے مسلک کے لئے استدلال یہ ہے کہ (۱) مذکورہ بالا آیت میں مَا لَمْ يُذْكَرْ میں "مَا" سے مراد گوشت اور غیر گوشت ہر چیز ہو سکتی ہے، حالانکہ ایک دو اقوال کو چھوڑ کر کوئی اس کا قائل نہیں ہے کہ جب کبھی کوئی بھی چیز کھائی جائے اس پر اللہ کا نام لینا واجب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ "مَا" اپنے عموم پر نہیں ہے۔ (۲) اس آیت سے تو بظاہر تسمیہ عند الاکل کا وجوب ثابت ہوتا ہے نہ کہ

[1] اُس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں چھری سے ذبح کرنے کا جو طریقہ شروع سے چلا آرہا ہے وہ تعبدی نہیں بلکہ عادی ہے یعنی عرب میں بھی طریقہ اسلام سے پہلے سے رائج تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند ہدایات کے ساتھ اسی کو قائم رکھا۔

تسمیہ عندالذبح کا، پھر تسمیہ عندالذبح کے وجوب کے لیے اس سے استدلال کیونکر درست ہوگا۔

(۳) تیسری دلیل امام شافعی کی یہ ہے کہ اگر اس کا تعلق ذبح سے ہی مانا جائے تب بھی اس سے اُن جانوروں کا حرام ہونا ثابت نہیں ہوتا جن کو اللہ کا نام لیے بغیر ذبح کیا گیا ہو اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ اسی آیت میں " وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ " ہے اور چونکہ واو حالیہ ہے اور فسق کی تشریح سورۂ مائدہ کی آیت میں اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ (جو جانور کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو) سے کی گئی ہے اسی بنا پر آیت میں " مَالَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ " سے مراد " ما ذکر اسمُ غیر اللہ علیہ " (جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو) ہے، گویا سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۳ میں محرمات طعام کے سلسلہ میں " وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ " فرماکر جو حکم بیان کیا گیا تھا اسی کا اعادہ سورۂ الانعام میں وَلَا تَاْكُلُوْا الاٰیۃ فرماکر کیا گیا۔

امام شافعی کے قول کی تائید بخاری، نسائی اور ابن ماجہ کی اُس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے اور جس میں فرمایا گیا ہے کہ چند لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا " ہمارے پاس لوگ گوشت لے کر آتے ہیں جس کے متعلق ہمیں بالکل علم نہیں ہوتا کہ اُس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں ؟ حضورؐ نے جواب دیا " تو تم گوشت پر اللہ کا نام لو اور کھا جاؤ " اس سے ثابت ہوا کہ تسمیہ عندالذبح شرط یا واجب نہیں ہے اور اس بنا پر اگر عندالذبح نہ غیر اللہ کا نام لیا جائے اور نہ اللہ کا تو وہ ذبیحہ حرام نہیں ہوگا۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ آیت زیر بحث کی مذکورۂ بالا تاویل میں امام شافعی منفرد نہیں ہیں بلکہ ابن جریر الطبری نے بھی اس آیت کی تفسیر میں مختلف روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے " اور درست یہ کہنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی مراد اُن جانوروں کا گوشت حرام قرار دینا ہے جو بتوں یا دیوتاؤں کے نام پر ذبح کئے گئے ہوں یا اُن کو ذبح ایسے شخص نے کیا ہو جس کا ذبیحہ اسلام میں حلال نہیں ہے "

امام شافعی اور بعض اور فقہاء کے اسی مسلک کی بنیاد پر غالباً مصر و شام میں سب سے پہلے مفتی محمد عبدہ نے خاص انگریزوں کے ذبیحہ کے حلال ہونے کا فتویٰ دیا تو مصر میں شور مچ گیا اور اخبارات میں مخالفانہ مضامین شائع ہونے لگے، ادھر سے مفتی صاحب کے فتوی کی تائید میں اُن کے تلمیذ رشید سید رشید رضا